اُردو ریسرچ جرنل "تشکیل" جلد:3، شمارہ:1 (جنوری تا جون 2025ء)
ISSN (Online): 3007-3294, ISSN (Print): 3007-3286, HEC Recognized Y-Category Journal

ڈاکٹر پرویز اختر نعیم
لیکچرار اُردو، گورنمنٹ ایسوسی ایٹ کالج چک جھمرہ، فیصل آباد
ڈاکٹر حمیرا جبیں
اُردو استاد، گورنمنٹ گرلز ہائر سیکنڈری سکول پیر محل، ٹوبہ ٹیک سنگھ

خالدہ حسین کے افسانوں میں تانیثی عناصر: تجزیاتی مطالعہ

Dr. Parvaiz Akhtar Naeem
Lecturer Urdu, Govt. Associate College, Chak Jhumra, Faislabad
Dr. Humaira Jabeen
Urdu Teacher, Govt. Higher Secondary School Pir Mahal, Toba Tek Singh

Feminist Elements in *Khalida Hussain's* Short Stories: An Analytical Study

ABSTRACT
Khalida Hussain is a unique and distinguished short story writer of this era. She is considered one of the pioneers of modern Urdu Short Stories. Materialism, existentialism, feminism, fear, nostalgia, terror, psychological issues and human inner complexes, concepts of time and death and social issues are main themes of her stories. She has a variety of dimensions in her concept of feminism. It contains child marriage, mismatched marriage, a woman's love for a man, a man's infidelity to a woman, a woman's disrespect, and disinheritance from property, women exploitation, gender discrimination etc. This article tends to explore her opinion regarding mentioned feminist elements in her short stories.

Keywords: *Khalida Hussain, Feminist Elements, Feminism, Women exploitation, Child marriage, Aadhi Aurat, Gung Shahzadi, Jeeny ki Pabandi, Cheeni ka piyala, A Dead Letter*

خالدہ حسین(1937-2019) ہمارے عہد کی ایک ممتاز افسانہ نگار ہیں۔ ان کے چھے افسانوی مجموعے شائع ہوئے جن میں ”پہچان“، ”دروازہ“، ”مصروف عورت“، ”ہیں خواب میں ہنوز“، ”میں یہاں ہوں“ اور ”جینے کی پابندی“ شامل ہیں۔ پہلے پانچ افسانوی مجموعوں پر مشتمل "مجموعہ خالدہ حسین" بھی شائع ہو چکا ہے۔ متعدد افسانے ایسے بھی ہیں جو ادبی رسائل میں شائع تو ہو چکے ہیں، مگر ان کے کسی مجموعے میں شامل نہیں ہیں۔ خالدہ حسین نے 60 کی دہائی میں باقاعدہ طور پر لکھنا شروع کیا۔ ان کا شمار جدید افسانے کے بانیوں میں کیا جاتا ہے۔

ہر ادیب اپنے عصر کی آواز ہوتا ہے۔ وہ اپنے زمانے کے مسائل اور موضوعات سے لاتعلق نہیں رہ سکتا۔ یہ مسائل و موضوعات سیاسی، مذہبی، معاشرتی، ثقافتی، نفسیاتی اور متعدد دوسری اقسام کے ہو سکتے ہیں۔ ہر ادیب ان موضوعات پر کسی نہ کسی لحاظ سے اپنا ردعمل دیتا ہے، تاکہ اپنے قلم کے ذریعے اس خاص مسئلے پر اپنی رائے کا اظہار کر سکے۔ خالدہ حسین نے بھی اپنے افسانوں میں مختلف موضوعات کا احاطہ کیا ہے، جن میں وجودیت، تانیثی مسائل و معاملات، ادیبوں کے مسائل، معاشرتی موضوعات، ماضی پرستی، تصوف، خوف، دہشت، جبر و اختیار، بے نامی، بے یقینی، موت کا تصور، وقت کا تصور وغیرہ ایسے موضوعات شامل ہیں۔

ایک خاتون افسانہ نگار ہونے کے ناتے خالدہ حسین نے اپنے افسانوں میں عورتوں کے متعدد مسائل کی عکاسی اور نشان دہی کی ہے۔ اگرچہ ایک انٹرویو میں انھوں نے اس بات کی تردید کی ہے کہ وہ فیمینسٹ ہیں اور کہا کہ انھوں نے عورتوں اور ان کے مسائل کے حوالے سے کچھ لکھا ہے تو صرف ایک انسان یا ایک وجود کی حیثیت سے اس کے لیے آواز اٹھائی ہے۔(1) اس سے پہلے کہ ہم خالدہ حسین کے افسانوں میں تانیثی عناصر کا تجزیہ کریں، مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ہم ایک نظر تانیثیت پر ڈالیں اور دیکھیں کہ تانیثیت سے کیا مراد ہے۔ تانیثیت ایک تحریک، ایک سماجی اور ادبی اصطلاح ہے جس کو انگریزی میں فیمینزم کہتے ہیں۔ آکسفورڈ لرنرز ڈکشنری میں فیمینزم (تانیثیت) کو یوں بیان کیا گیا ہے:

> "The belief and aim that women should have the same rights and opportunity as we; the struggle to aim, achieve this. (2)

انیس ہارون صاحبہ اپنے مضمون "فیمینزم اور پاکستانی عورت" میں تانیثیت کے حوالے سے لکھتی ہیں:

> "فیمینزم نام ہے اس احساس کا کہ معاشرے میں پدری نظام مسلط ہے اور مادی اور نظریاتی سطح پر عورت کی محنت، جنسیت اور اولاد پیدا کرنے کی صلاحیت کا خاندان میں اور کام کرنے کی جگہ پر غرض پورے معاشرے میں استحصال کیا جاتا ہے اور اسے کچلا جاتا ہے۔(3)

سید محمد عقیل رضوی تانیثیت کو یوں بیان کرتے ہیں:

> "تانیثیت ایک نیا فکری تصور ہے جو۔۔۔(کہتا ہے کہ) مرد کی بنائی ہوئی اس سوسائٹی میں، نہ صرف یہ کہ عورتوں کو زندگی میں مواقع کم فراہم کیے جاتے ہیں بلکہ زندگی کی ارتقائی پیش قدمیوں میں، عورت کو یا تو پیچھے دھکیل دیا جاتا ہے یا اس کی کوششوں کو کوئی اہمیت نہیں دی جاتی۔(4)

محولہ بالا تعریفات سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ تانیثیت ایک ایسی تحریک، ایک ایسا فکری رویہ ہے جو معاشرے میں عورت پر بحیثیت صنف روا رکھے جانے والے کسی بھی ظلم و زیادتی کے خلاف صدائے احتجاج بلند کرتا ہے۔ یہ فکری

رویہ معاشرے میں ہر طرح کے صنفی امتیاز کے خلاف ہے اور کہتا ہے کہ قدرت نے عورت کو کسی بھی لحاظ سے مرد سے کم تر نہیں بنایا لہٰذا معاشرہ بھی اسے کم تر نہ سمجھے۔ یہ بھی حقیقت ہے کہ ایسے بہت سے شعبے یا کام جن کو پہلے عورت کے لیے شجرِ ممنوعہ قرار دیا جاتا تھا، اب انہی شعبوں میں عورتیں برابری کی بنیاد پر اپنا حصہ ڈال رہی ہیں۔ تانیثیت کے اسی فکری رویے کو ادب میں بھی پذیرائی مل رہی ہے۔ بہت سے خواتین ادیبوں اور شاعرات نے معاشرے کے اس رویے کے خلاف اپنی تخلیقات میں بھرپور صدائے احتجاج بلند کی ہے۔ خالدہ حسین نے بھی تانیثیت سے متعلق بہت سے موضوعات و مسائل کو اپنی تخلیقات کا حصہ بنایا ہے۔ خالدہ حسین کے جن افسانوں میں تانیثی عناصر پائے جاتے ہیں ان میں "چینی کا پیالہ"، "پیار کہانی"، "آدھی عورت"، اے ڈیڈ لیٹر"، "بھٹی"، نام رکھنے والے"، کان"، مصروف عورت"، "تفتیش" اور "دادی آج چھٹی پر ہیں"، "ایک دفعہ کا ذکر ہے" وغیرہ شامل ہیں۔

"چینی کا پیالہ" میں وہ ہمارے معاشرے کے ایک دیرینہ و پیچیدہ مسئلے یعنی کم عمری کی شادیوں یا بے جوڑ شادیوں کا مسئلہ اٹھاتی ہیں۔ افسانے کی راوی لڑکی بتاتی ہے کہ کس طرح اس کی نوعمر رشتے دار زہری کی شادی ایک بڑی عمر کے کریہہ المنظر اور اجڈ گنوار شخص سے کرا دی جاتی ہے۔ اس وجہ سے فریقین میں موانست اور موافقت بالکل نہیں ہو پاتی۔ زہری کا شوہر اس کا خیال نہیں رکھتا بلکہ اس پر ظلم بھی کرتا ہے۔ چونکہ اس کی اپنی ماں فوت ہو چکی ہے اور باپ کو اس کی پروا نہیں ہے اس لیے زہری اس ظلم اور برے رویے کی شکایت اپنے بڑے ابو اور امی سے کرتی ہے۔ لیکن اس کی شکایت کا کوئی نوٹس نہیں لیا جاتا۔ حتیٰ کہ اس ظلم سے تنگ آ کر زہری ایک دن مٹی کا تیل پی کر خودکشی کر لیتی ہے۔ اس افسانے میں خالدہ حسین نے اپنی اس فکر کا تخلیقی اظہار کیا ہے کہ کم عمری کی شادی یا بے جوڑ شادی اکثر اوقات کامیاب نہیں ہوتی اور بعض اوقات الم ناک انجام پر منتج ہوتی ہے۔ ایک لحاظ سے یہ لڑکیوں پر ظلم کے مترادف ہے۔ اس افسانے میں انھوں نے ایک اور مسئلے کی طرف بھی توجہ دلائی ہے کہ جن بچوں کے ماں باپ بچپن میں مر جاتے ہیں یا کسی وجہ سے انھیں ماں باپ کی شفقت نصیب نہ ہو، ان کی زندگیوں کے فیصلے دوسرے لوگ کرتے ہیں۔ یہ دوسرے لوگ چونکہ ان بچوں کو بوجھ سمجھتے ہیں اس لیے وہ ان کے بارے درست فیصلے نہیں کر پاتے۔ لڑکیاں اس معاملے میں لڑکوں سے بھی زیادہ بدنصیب ہیں کہ ان سے جلد از جلد نجات کے لیے ان کی شادی اوائلِ عمری میں ہی کر دی جاتی ہے۔ نہ ہی لڑکیوں سے ان کی رائے لی جاتی ہے اور نہ ہی یہ دیکھا جاتا ہے کہ یہ شادی بے جوڑ ہے۔ شادی کے بعد پلٹ کر بھی ان کی خبر نہیں لی جاتی چاہے وہ سسرال میں کیسے ہی حالات کا سامنا کیوں نہ کر رہی ہوں یا وہ کتنی ہی بیمار کیوں نہ ہوں۔ "ایک چھوٹا سا لڑکا دوڑ آیا اور اماں سے بولا:"زہری بیمار ہے بہت۔ آپ کو یاد کرتی ہے، جاؤ اس سے مل آؤ۔" اور اس کے باپ نے ایک موٹی سی شکن ماتھے پر ڈالی اور حقہ بغل میں داب گھر سے نکل گیا۔"(5)

"پیار کہانی" ایک میاں بیوی کی کہانی ہے جس کا مرکزی موضوع ازدواجی محبت ہے۔ ایسی محبت کے ہوتے ہوئے ایک عورت سولی پر بھی چڑھ سکتی ہے اور جس کے نہ ہوتے ہوئے اسے چند قدم چلنا بھی مشکل ہوتا ہے۔ اگر ازدواج میں باہمی محبت ہو تو عورت اپنے خاوند کو ہی سب کچھ سمجھتی ہے۔ اپنی پہچان، اپنے وجود کی اصل، اپنے وجود کا وزن لیکن اگر ان دونوں کے درمیان یہ قلبی تعلق نہ ہو تو وہ ریزہ ریزہ ہو جاتی ہے۔ اس افسانے میں خالدہ حسین یہ منفرد نکتہ ابھارتی ہیں کہ عورت کی قسمت میں دونوں صورتوں میں تباہی و بربادی اور ریزہ ریزہ ہونا ہی لکھا ہے۔ مرد کی محبت سے محروم ہو کر یا اس کے تعلق سے آزاد ہو کر تو عورت اپنی پہچان کھوتی ہی ہے لیکن اگر اسے مرد کی محبت حاصل ہو تب بھی تباہی و بربادی اس کا مقدر ہے۔ اگرچہ دونوں دفعہ وجوہات مختلف ہوتی ہیں لیکن انجام ایک ہے۔ مرد کی محبت میں عورت ہر قسم کی قربانی دینے کے لیے تیار ہو جاتی ہے۔ اپنی جان کو خطرے میں ڈال کر اس کے بچے پیدا کرتی ہے۔ اپنا آرام و سکون تج دیتی ہے۔ اپنی خوب صورتی کھو دیتی ہے۔ اپنی جوانی تباہ کر لیتی ہے۔ عورت کا پھانسی چڑھ جانا ان تمام قربانیوں کا علامتی اظہار ہے جو وہ مرد کی محبت میں دیتی ہے۔ خالدہ حسین کی اس سوچ میں توازن نہیں ہے۔ بے شک عورت مرد کی محبت میں قربانیاں دیتی ہے لیکن مرد بھی عورت کی محبت میں، اس کے آرام اور سکون کے لیے بہت سی قربانیاں دیتا ہے۔ اپنا آرام تج دیتا ہے۔ اپنے قویٰ، اپنی جوانی کو عورت اور گھر کی ضروریات پوری کرنے کے لیے استعمال کرتا ہے۔ افسانے میں بین السطور یہ بھی بتایا گیا ہے کہ عورت اور مرد کی محبت میں سے خالص محبت صرف عورت کی ہی ہوتی ہے کیوں کہ وہ دل سے محبت کرتی ہے جب کہ مرد صرف خوب صورتی کو دیکھ کر ہی محبت کرتا ہے۔

"آدھی عورت" کا موضوع بھی عورت کی بے بسی ہے۔ یہ بے بسی جنس اور فرد دونوں کے لحاظ سے ہے۔ خالدہ حسین سمجھتی ہیں کہ مرد اپنے آپ کو عورت سے افضل سمجھتا ہے اس لیے وہ عورت کو اپنے دباؤ میں رکھنا چاہتا ہے تاکہ وہ اس کے سامنے سر نہ اٹھا سکے۔ مرد جاہل ہو یا انٹلیکچوئل وہ چاہتا ہے کہ ہر حالت میں اس کی برتری قائم رہے۔ اپنی اس انا کو قائم رکھنے کے لیے وہ عورت سے جھگڑتا بھی ہے، اس پر ظلم بھی کرتا ہے اور اس کو دوسروں کے سامنے ذلیل بھی کرتا ہے۔ غرض وہ ہر ہتھکنڈا استعمال کرتا ہے۔ چونکہ معاشرے میں مردوں کی اجارہ داری ہے اس لیے کوئی بھی اس کو ان ہتھکنڈوں سے باز نہیں رکھ سکتا بلکہ دوسرے مرد بھی اس کے ان افعال کو روا سمجھتے ہیں۔ اس افسانے میں یہ بھی بتایا گیا ہے کہ اگرچہ گزرتے وقت کے اثرات مرد اور عورت دونوں پر پڑتے ہیں لیکن عورتوں پر بطورِ خاص اس کا منفی اثر بہت زیادہ ہوتا ہے۔ ہر گزرتا لمحہ عورت سے اس کی دلکشی و رعنائی چھین رہا ہے اور مرد جو صرف اور صرف عورت کی خوب صورتی کی وجہ سے اس کا اسیر ہوتا ہے، آہستہ آہستہ اس سے دور ہوتا چلا جاتا ہے۔

"زمانے کی قسم بے شک انسان صریح خسارے میں ہے مگر سب سے زیادہ انسانوں کی وہ جنس جو میں ہوں۔ جس طرح وقت اس جنس کو کھاتا ہے کسی کو نہیں کھاتا ہے۔"[6]

بحیثیت مجموعی تمام معاشروں میں عورت کا درجہ مرد سے کم سمجھا جاتا ہے اور جن معاشروں میں عورت اور مرد کے برابر حقوق کا ڈھنڈورا پیٹا جاتا ہے، ان معاشروں میں بھی عملی طور پر عورت کو کمزور ہی سمجھا جاتا ہے۔ اس افسانے میں بطور جنس عورت کے اسی تنزل کو موضوع بنایا گیا ہے۔

"اے ڈیڈ لیٹر" کا اصل موضوع تو بڑھتی ہوئی آبادی کے تناظر میں مناسب مکان کا نہ ملنا ہے لیکن ضمنی طور پر افسانہ نگار نے اس میں بھی عورت کی مظلومیت، بے بسی اور کم تری کے عناصر شامل کیے ہیں۔ ان کے خیال میں پوری دنیا میں بالعموم اور تیسری دنیا کے ممالک میں بالخصوص عورت کو دوسرے درجے کی شہری سمجھا جاتا ہے۔ ہمارے ہاں اس کو جس کھونٹے سے بھی باندھ دیا جائے، وہ بغیر احتجاج کیے، ساری زندگی اسی سے بندھی رہتی ہے۔ اگر عورت اور مرد کا تعلق ختم بھی ہو جائے تو بھی لوگ اسے سابقہ مرد کے حوالے سے ہی یاد رکھتے ہیں۔ افسانے میں اس صورتِ حال کی عکاسی یوں کی گئی ہے:

> "میرا خیال ہے کہ عورتوں کے پتے بہت مستقل ہوتے ہیں۔ زندگی میں ایک بار بدلیں تو پھر نہیں بدلتے۔ اگر بدل بھی جائیں تو لوگ تسلیم نہیں کرتے۔ انھی انھی پتوں سے یاد کرتے ہیں۔"(7)

افسانے "بھٹی" میں بھٹی (جس میں مختلف سانچوں میں رکھ کر کیک تیار کیے جاتے ہی) اُس جبر کی علامت ہے جو معاشرے کی طرف سے عورت ذات پر لاگو کیا جاتا ہے۔ یہ جبریت عورت کو ایک مخصوص سانچے یا ڈھب میں ڈھال دینا چاہتی ہے۔ یہ جبریت اکثر اوقات والد، بھائی، خاوند یا بیٹے کی طرف سے عورت پر لاگو کی جاتی ہے جو اپنی بیٹی، بہن، بیوی یا ماں کو ایک سانچے میں فٹ کر دینا چاہتے ہیں۔ معاشرے کے دوسرے عناصر بھی مقدور بھر اس میں حصہ ڈالتے ہیں۔ اس افسانے کا مرکزی کردار جو کہ ایک عورت ہے اس معاشرتی جبر سے بغاوت کرتے ہوئے لوگوں کی دی ہوئی ہدایات کے خلاف اپنی مرضی سے سمت کا انتخاب کرتی ہے اور راستے میں آنے والی ریلوے لائن پر اٹیچی کیس جس میں لوگوں کی طرف سے دیا گیا روڈ میپ اور دوسری ہدایات تھیں، رکھ کر خود آگے بڑھ جاتی ہے۔ اس کے بعد اسے ہر چیز واضح اور صاف نظر آتی ہے۔ عورت کا یہ سارا عمل اس بات کا علامتی اظہار ہے کہ معاشرہ مردوں کا معاشرہ ہے جو ہر وقت عورتوں کو زندگی گزارنے کے لیے مختلف ہدایات دیتے ہیں اور اکثر عورتیں زندگی بھر ان ہدایات کی پیروی کرتے ہوئے زندگی گزار دیتی ہیں۔ افسانہ نگار کے خیال میں ایسی عورتیں زندگی کی حقیقت سے واقف نہیں ہو پاتیں۔ زندگی کی حقیقت سے صرف وہی عورت واقف ہو سکتی ہے جو زندگی کو مردانہ عینک اتار کر دیکھے۔ مردوں کی ہدایات کو یکسر نظر انداز کرتے ہوئے اپنی سمت کا تعین خود کرے۔ افسانہ نگار کہ یہ رائے یا فکر ایک حد تک تو درست ہے لیکن مکمل طور پر نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے مرد (شوہر) کو عورت (بیوی) پر حاکم بنایا ہے۔ اس سے یہ واضح ہوتا ہے کہ عورت ہر

معاملے میں درست فیصلہ نہیں کر سکتی۔ اس لیے مشکل اور پیچیدہ معاملات میں اسے مرد کی رہنمائی کی ضرورت ہوتی ہے۔ ان حالات میں مرد کو چاہیے کہ وہ حکمیہ انداز اختیار نہ کرے بلکہ پیار محبت سے عورت (بیوی) کو معاملے کی اونچ نیچ سمجھائے۔ البتہ زندگی کے عام اور روزمرہ کے معاملات میں عورت کو اپنے فیصلے خود کرنے کی اجازت ہونی چاہیے۔

"نام رکھنے والے" بھی ہمارے معاشرے پر ایک طنز ہے جو بیٹیوں کے مقابلے میں بیٹوں کو ترجیح دیتا ہے۔ اگر کسی کے ہاں بیٹا پیدا ہو جائے تو اس کی بہت خوشیاں منائی جاتی ہیں، بہت سوچ سمجھ کر اس کا نام رکھا جاتا ہے بلکہ اکثر اوقات کسی بزرگ سے اس کا نام رکھوایا جاتا ہے۔ ماں باپ زندگی بھر اس کے لاڈ اٹھاتے ہیں لیکن اس کے مقابلے میں بیٹی کی پیدائش کو برا سمجھا جاتا ہے۔ اس کی پیدائش کو لوگوں سے چھپایا جاتا ہے۔ اس کا نام بھی بے خیالی میں بغیر کسی تردد کے رکھ دیا جاتا ہے۔ زندگی بھر اس کو کچھ اہمیت نہیں دی جاتی۔ افسانے کا مرکزی کردار جو کہ ایک لڑکی ہے، کسی طرح بھی اپنے بھائیوں سے کم نہیں مگر اسے نہ تو اس کے والدین اہمیت دیتے ہیں اور نہ شاہ صاحب۔ اس کا ہونا، نہ ہونا سماج کے لیے برابر ہے۔ انسانی معاشرے میں عورت موجود تو ہے کہ اس کی موجودگی کے سینکڑوں ہزاروں ثبوت موجود ہیں لیکن اس کے باوجود موجود نہیں ہے کہ اس کو زندگی کے مرکزی دھارے سے نکال کے ایک نکڑ میں کھڑا کر دیا گیا ہے۔ منزل کی طرف رہنمائی کرنے کے باوجود وہ پہچان اور شناخت سے محروم ہے۔ اپنی تمام تر خامیوں کے باوجود یہ پہچان اور شناخت صرف مردوں کے لیے صرف اس وجہ سے ہے کہ وہ مرد ہیں۔ عورت کو سماجی زندگی کے دھارے سے الگ کر دیا گیا ہے۔ محمد حمید شاہد اس ضمن میں لکھتے ہیں:

> "اس مجموعے کا افسانہ "نام رکھنے والے" بھی ہمیں۔۔۔ نام کے مسئلے کے سامنے لا کھڑا کرتا ہے۔ یہ عورت کے وجود کے ساتھ چپکا ہوا ہے جو ہے تو سہی، کہ ہمیں منزل کی طرف لے جا رہی ہے مگر نہیں ہے کہ اس کا وجود سماجی زندگی کے مرکز سے دھکیل کر ایک کونے میں پھینک دیا گیا ہے۔"(8)

خواتین میں اپنی برتری جتانے کا مادہ مردوں کی نسبت زیادہ پایا جاتا ہے۔ افسانہ "کان" میں ضمنی طور پر یہ موضوع بھی اٹھایا گیا ہے۔ مصنفہ قلم کاروں کے اعزاز میں رکھی گئی ایک تقریب میں مدعو ہے جہاں دوسری خواتین قلم کار اسے دیکھ کر ناک بھوں چڑھانے لگتی ہیں کہ یہ کیسے اس تقریب میں آ گئی۔ یعنی ان کے خیال میں وہ خود تو اس تقریب میں مدعو کیے جانے کی اہل تھیں لیکن مصنفہ نہیں۔ ان کے خیال میں مصنفہ کی تخلیقات اس درجے کی نہیں ہیں کہ اس کو اس درجے کی تقریب میں بلایا جاتا۔ خود مصنفہ کے خیالات بھی ان خواتین کی تخلیقات کے بارے میں یہی کچھ ہیں۔

"مصروف عورت" ایک خاتون کہانی کار کے مسائل کا احاطہ کرتا ہے۔ یہ کہانی کار خاتون جب بھی اپنا اصل کام یعنی تخلیقِ ادب کا کام کرنا چاہتی ہے، اسے گھر کی دوسری مصروفیتیں جیسے کھانا پکانا، صفائی کرنا، کپڑے دھونا وغیرہ جکڑ لیتی

ہیں۔ چونکہ وہ کہانی کار ہونے کے ساتھ ساتھ ایک ہاؤس وائف بھی ہے اس لیے ان مصروفیات سے صرفِ نظر بھی نہیں کر سکتی۔ اس لیے اس کا ادبی کام نہیں ہو پاتا۔ وہ ہر روز نیا عزم کرتی ہے کہ آج وہ ضرور اپنا اصل کام کرے گی لیکن ہر روز وہ گھریلو مصروفیات کی وجہ سے اپنے اس ارادے کو عملی جامہ نہیں پہنا سکتی۔ اس افسانے کی ذریعے وہ اس حقیقت کو وا کرتی ہیں کہ مرد ادیبوں کے برعکس خواتین ادیبوں کو ادب کی تخلیق کے لیے وقت مہیا نہیں ہوتا۔ مرد ادیب ہمہ وقتی ادیب ہوتے ہیں۔ وہ جب چاہیں، جس وقت چاہیں ادب تخلیق کر سکتے ہیں لیکن خواتین ادیب ایسا نہیں کر سکتیں۔ معاشرہ اس بات کو برداشت نہیں کرتا کہ وہ گھر کے کام کاج چھوڑ کر ادبی کام کریں۔ وہ ہر روز ایک بیوی، بیٹی، ماں اور بہن کا کردار نبھاتی ہے اور ان رشتوں سے جڑی توقعات پوری کرنے کی کوشش کرتی ہے۔ دوسرے دن پھر یہی مصروفیات دوگنا تگنا ہو کر اس کا راستہ روکے کھڑی ہوتی ہیں۔ یہاں تک کہ اس کی عمر ڈھل جاتی ہے، قویٰ مضمحل ہو جاتے ہیں لیکن وہ اپنا اصل کام نہیں کر پاتی۔

"دادی آج چھٹی پر ہیں" بھی اسی موضوع کا اندازِ دیگر میں تسلسل ہے۔ افسانے کی راوی ایک چھوٹی لڑکی ہے جس کی دادی ایک لکھاری ہیں۔ ادیب ہونے کے ناتے تصانیف پر دادی کی تصاویر بھی ہوتی ہیں۔ ادب دوست افراد کے تبصروں اور تجزیوں بھرے خطوط بھی اس کے نام آتے ہیں۔ اسے مختلف تقریبات میں بھی مدعو کیا جاتا ہے۔ اس کا لوگوں سے ملنا ملانا ہوتا ہے۔ یہ ساری باتیں اس کے شوہر اور بیٹے کو بالکل بھی پسند نہیں ہیں۔ بیٹا ماں کے احترام میں اسے براہ راست تو نہیں روکتا لیکن اپنے "تعلیم کے حلقے" میں بالواسطہ اسے عذاب کی وعید سناتا ہے۔ اس کا شوہر ان سارے کاموں کو کھلی گمراہی قرار دیتا ہے۔ اس افسانے میں "ایک تخلیق کار عورت کا وجود شدت پسندی کے چر کے سہہ رہا ہے اور اس افسانے میں اس کے وجود کے سامنے ہی بڑا سا سوالیہ نشان لگا نظر آتا ہے۔" [9] زاہدہ حنا اس ضمن میں لکھتی ہیں:

> "یہ افسانہ عورتوں کی اس نسل کا افسانہ ہے جو۔۔۔۔ ایک قفس میں رہتی تھی۔۔۔۔۔ جن کے خیال میں شعر کہنے اور نام ور ہونے والی عورتیں جہنم میں جلائی جائیں گی اور جہاں پوتیاں بے ساختہ یہ سوچنے پر مجبور ہو جاتی ہیں کہ دادی دوزخ میں جائیں گی۔" [10]

اس افسانے میں عورتوں کے حوالے سے مردوں کی متضاد اور انتہا پسندانہ سوچ کی عکاسی کی گئی ہے۔ خاتون لکھاری کا شوہر ان تمام معاملات کو گمراہی قرار دیتے ہوئے اسے تو منع کرتا ہے لیکن خود اذان کے وقت اونچی آواز میں ٹی وی پر بھنگڑا میوزک لگا دیتا ہے۔ آفرین ہے اس خاتون پر جو اس شور شرابے میں بھی اپنی نماز اور دوسرے وظائف جاری رکھتی ہے۔ فنونِ لطیفہ میں ماں کی دل چسپی کے باعث بیٹے کو یقین ہو چلا ہے کہ اس کی ماں پر دوزخ واجب ہو چکی ہے۔ گھر کے مردوں کا یہ رویہ خاتون کو بہت تکلیف دیتا ہے یہاں تک کہ ایک دن وہ مر جاتی ہے تو اس کی پوتی یہ سوچتی

ہے کہ کاش وہ لوگوں سے کہہ سکے کہ اس کی دادی مری نہیں بلکہ آج وہ چھٹی پر ہے۔ "دادی آج چھٹی پر ہیں" اس جملے کی علامتی معنویت یہ ہے کہ آج دادی آپ لوگوں کی یعنی معاشرے کی لگائی گئی پابندیوں سے دور چلی گئی ہیں۔ اب ان کی ذات پر آپ کی پابندیوں کا کوئی اثر نہیں ہو گا۔

"تفتیش" کا مرکزی موضوع تو موجودہ معاشرے میں مشینوں کی انسانوں پر حکومت کے خلاف بغاوت ہے لیکن اس میں بھی ضمنی طور پر عورت کی مظلومیت اور بے بسی دکھائی گئی ہے۔ افسانے میں بتایا گیا ہے کہ ہمارا معاشرے میں پڑھا لکھا اور ذہین ہونا ایک خاتون کے لیے جرم کے برابر ہے۔ عورت کا ذہین ہونا یا اس کا سوچنا اس کے لیے کبیرہ گناہ کی طرح ہے۔ جس کو معاشرہ کبھی قبول نہیں کرتا۔ جب یہ معاشرہ دیکھتا ہے کہ کوئی عورت عام ڈگر سے ہٹ کر چل رہی ہے یا اس کی لگائی ہوئی پابندیوں کو چیلنج کر رہی ہے تو وہ فوراً اس کے تدارک کے لیے متحرک ہو جاتا ہے۔ خالدہ حسین اپنے افسانوں بعض ایسے کاٹ دار اور طنز سے بھرپور جملے استعمال کرتی ہیں جو ان کے مافی الضمیر کو بہترین انداز میں مختصر طور پر بیان کر دیتا ہے۔ وہ سمجھتی ہیں کہ مردانہ برتری کے اس معاشرے میں بحیثیت صنف عورت کی زبان بند کر دی گئی ہے۔ اب عورت کے لیے بولنا یعنی احتجاج کرنا انتہائی مشکل امر ہے۔ یہ جملہ دیکھیے: "اس کی زبان مدتوں سے دانتوں بیچ بند تھی اور اب ایک ایک لفظ بخیے کی طرح گوشت میں اترتا تھا۔"[(11)] اس ایک جملے کے ذریعے انھوں نے بلیغ انداز میں یہ پیغام دیا ہے کہ مردانہ غلبے والے اس معاشرے نے عورت کی آواز بند کرادی ہے تاکہ وہ اپنے حقوق کے لیے نہ بول سکے نہ احتجاج کر سکے۔ بحیثیت صنف عورت اتنے عرصے سے یہ ظلم سہہ رہی ہے کہ اب وہ اس کی عادی ہو چکی ہے۔ اب وہ اپنے حق کے لیے بول ہی نہیں سکتی۔

افسانہ "گنگ شہزادی" میں ایک ایسی لڑکی کی ذہنی، جسمانی و احساساتی کیفیت بیان کی گئی ہے جو نوجوانی کی دہلیز پر کھڑی ہے۔ چونکہ یہ ایک حساس موضوع تھا اس لیے افسانہ نگار نے ان تمام کیفیات اور تبدیلیوں کا اظہار بڑی پردہ داری کے ساتھ کیا ہے۔ اگرچہ یہ موضوع براہِ راست تانیثیت سے متعلق نہیں ہے لیکن مصنفہ نے اپنے اندازِ بیان کے ذریعے یہ بھی بتانے کی کوشش کی ہے کہ ایسا موضوع اگر عورت کے حوالے سے ہو تو اس کا کھلم کھلا اظہار بھی اس معاشرے میں نہیں کیا جا سکتا۔ مرد معاشرہ اس بات کی اجازت ہی نہیں دیتا اور جو خواتین معاشرتی دباؤ کو رد کر کے واضح الفاظ میں اس کا اظہار کرتی ہیں ان کو معاشرہ فحش نگار، جنس زدہ، سستی شہرت کی طلب گار کے القاب سے پکار کر ان کی تذلیل کرتا ہے۔ یہ افسانہ کرداروں کی کش مکش کے ساتھ ساتھ خود مصنفہ کی کش مکش کا مظہر بھی ہے۔ اس لیے افسانہ نگار کی طرف سے اشاروں کنایوں اور بلیغ مختصر جملوں کی مدد سے ان کیفیات کا اظہار کیا گیا ہے لیکن یہ بلاغت صرف سنجیدہ قاری کے لیے ہے، عام قاری ان جملوں سے وہ خاص مطلب اخذ نہیں کر سکتا۔ مثال کے طور پر یہ جملے دیکھیے:

"مگر جب آدھے سوتے، ادھے جاگتے میں اسے اپنے ساتھ اماں کا ریشمی جسم محسوس ہوتا ۔۔۔(تو) مخملیں گرمی اور گھنا نشہ ازلی اندھیرے کی طرح اسمان سے لے کر زمین تک بہنے لگتا۔"(12)

"اس وقت اس کے ہاتھ ایک جان لیوا پیاس میں جل رہے ہوتے۔ مشین پر جھکی اماں کی کمر سے لپٹ کر وہ اپنے پیاسے ہاتھ نرم نرم پیٹ میں گاڑ دیتی۔۔۔اور ایک شیریں نشہ اس کی رگ رگ میں تیر جاتا۔"(13)

اسی افسانے میں وہ اپنی اس فکر کا اظہار بھی کرتی ہیں کہ لڑکیاں (یا عورتیں) ہمیشہ سے ہی گونگی ہیں۔ دنیا کے ہر معاشرے میں بالعموم اور ایشیا میں بالخصوص ان کی رائے کو ذرہ برابر اہمیت حاصل نہیں۔ ان کی زندگی کے اہم معاملوں میں بھی ان کی رائے نہیں لی جاتی۔ افسانہ نگار کی مہارت دیکھیے کہ اس نے صرف ایک جملے میں اس بات کو سمیٹ دیا ہے۔ جب گھر میں اس کے بہن بھائی ڈرامہ سٹیج کر رہے تھے اور وہ ریہرسل کا پوچھتی ہی ہے تو اسے جواب ملتا ہے: "ریہرسل کیسی۔ تُو گونگی شہزادی ہے۔ بس چپکے سے بیٹھی رہنا۔۔۔ سب کچھ خود ہی ہوتا رہے گا۔"(14)

"گونگی شہزادی" کی یہ ترکیب اپنے وسیع تر مفہوم میں لڑکی ذات کے اظہارِ بیان پر پابندیوں کے مفہوم کی حامل ہے۔ یہ پابندیاں معاشرے نے لگائی ہیں۔ ان پابندیوں کی وجہ سے لڑکی یا عورت ذات من حیث القوم گونگی شہزادی ہے۔ اسے گونگا بنانے اور گونگا دیکھنے کی خواہش میں پورا معاشرہ شامل ہے۔

افسانہ "آخری سمت" بھی مرد حاکمیت والے معاشرے میں عورتوں پر لگائی جانے والی پابندیوں کی عکاسی کرتا ہے۔ افسانے کی مرکزی کردار انجم جب بھی کوئی کام خلافِ معمول کرنا چاہتی ہے تو اس کے گھر والے اسے گھریلو اصول و ضوابط کے تحت زندگی گزارنے کا حکم نما مشورہ دیتے ہیں۔ وہ گھر کے مردوں کے ڈر کے باوجود بساط بھر اپنی مرضی کرتی ہے۔ وہ بیزار کن معمولات والے اس ماحول سے فرار کی خواہش کرتی ہے تاہم حاصل نہیں کر پاتی۔ ڈاکٹر سعادت سعید اس ضمن میں لکھتے ہیں:

"اس افسانے میں مرد حاکمیت کے سماج کے خلاف صنفِ نازک کا احتجاج قلم بند ہوا ہے۔ انجم کا آشوب صرف انفرادی آشوب نہیں ہے، خواتین کے اس پورے سیکٹر کا آشوب ہے جس کی آزادی مصلوب ہے اور جس کی تقدیر متعینہ ماحول کی اسیری ہے۔"(15)

خالدہ حسین یہ سمجھتی ہیں کہ عورت ہی اصل محبت اور وفاداری کرتی ہے اور کر سکتی ہے جب کہ مردوں کی محبت اور وفاداری ناقابلِ اعتبار ہے۔ وہ صرف حسن پرست ہوتے ہیں اس لیے انھیں حسن جہاں بھی نظر آئے وہ وہیں محبت کا دعویٰ اور وفاداری کا دم بھرنے لگتے ہیں۔ عورت صرف ایک ہی مرد سے محبت اور وفاداری کرتی ہے۔ اپنی ساری

زندگی اسی کے لیے قربان کر دیتی ہے۔ افسانے "پہچان" میں بھی یہی موضوع بیان کیا گیا ہے۔ افسانے کی کردار رشیدہ بھی ایسی ہی عورتوں میں سے ایک ہے۔ وہ اور اس کا شوہر سالوں سے ایک دوسرے کے ساتھ رہتے ہیں، ازدواجی تعلقات بھی قائم ہیں لیکن ان سب کے باوجود وہ ایک دوسرے کو جان نہیں پاتے، ایک دوسرے کے ہو نہیں پاتے۔

اگرچہ طلاق سے مرد اور عورت دونوں متاثر ہوتے ہیں لیکن مرد کے مقابلے میں عورت زیادہ متاثر ہوتی ہے۔ مرد کو دوسری شادی کرنے میں کچھ زیادہ تردد کا سامنا نہیں کرنا پڑتا۔ نہ ہی اسے معاشرے کے تند و تیز جملوں یا نظروں کا سامنا کرنا پڑتا ہے لیکن اس کے مقابلے میں عورت کو اس سارے معاملے میں قصوروار سمجھ لیا جاتا ہے۔ اب یہ عورت نہ تو آسانی سے دوسری شادی کر سکتی ہے، نہ ہی معاشرے میں سر اٹھا کر چل سکتی ہے۔ لوگ اب بھی اسے پچھلے مرد کے حوالے سے یاد رکھتی ہے۔ "نام کی کہانی" کی مرکزی کردار کو جب اس کا شوہر چھوڑ دیتا ہے تو وہ ڈپریشن میں چلی جاتی ہے۔ اپنے نام اور اپنی سابقہ پہچان سے جان چھڑانے کے لیے وہ اپنے آپ کو گھر کے کاموں میں بے پناہ مصروف کر لیتی ہے لیکن یہ مصروفیت بھی اس کو لوگوں کے طنزیہ جملوں سے نہیں بچا سکتی۔ ان حالات میں اس کی شخصیت مسخ ہو جاتی ہے۔ اس کا جسم بدہیئت اور بے ڈھنگا ہو جاتا ہے۔ یہ عمل اس کے خاموش احتجاج کو ظاہر کرتا ہے۔

"عہد نامہ" ایک تجریدی اور علامتی افسانہ ہے جس کی متعدد تعبیریں کی جا سکتی ہیں۔ ایک تعبیر یہ بھی کی جا سکتی ہے کہ محبت کے نام پر بھی ہمیشہ عورت کا ہی استحصال کیا جاتا ہے۔ اس کو مجبور کر کے اس سے شرائط منوائی جاتی ہیں۔ اس افسانے میں خوب صورت لڑکی اور کنویں کا مکین عورت اور مرد جو کہ محب اور محبوب یا میاں بیوی ہو سکتے ہیں، کی علامات ہیں۔ یہاں افسانہ نگار یہ بتانا چاہتی ہیں کہ مرد محبت کرتے ہوئے بھی ہمیشہ اپنی انا کے خول میں بند رہتا ہے، اس سے باہر نہیں آتا۔ وہ چاہتا ہے کہ اس کی شرائط پر اس سے محبت کی جائے۔ جب کہ محبوب ہوتے ہوئے بھی ہمیشہ عورت ہی جھکتی ہے۔ وہی اپنی انا کی قربانی دیتی ہے اور مرد کی ہر الٹی سیدھی بات یا شرط مانتی ہے۔

"ایک دفعہ کا ذکر ہے" میں افسانہ نگار نے بتایا ہے کہ مرد ادیبوں کے مقابلے میں خواتین لکھاریوں کو زیادہ اہمیت نہیں دی جاتی۔ مرد ادیبوں کی کہانیوں کو ناقدین اور قارئین زیادہ پذیرائی بخشتے ہیں۔ ان کی تحریروں پر زیادہ توجہ دی جاتی ہے۔ ان کے محاسن اجاگر کیے جاتے ہیں لیکن ان کے مقابلے میں خواتین کی تحریریں اس تنقید و تعریف، اس توجہ سے محروم رہ جاتی ہیں۔ افسانہ نگار کی اس رائے میں بھی توازن نہیں ہے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ ہمارے ہاں بہت سی خواتین افسانہ نگاروں، ناول نگاروں، تنقید نگاروں اور شاعرات کو پذیرائی بخشی گئی۔ ممتاز شیریں، قرۃ العین، عصمت چغتائی، حاجرہ مسرور، خدیجہ مستور، خالدہ حسین، پروین شاکر، فہمیدہ ریاض، ادا جعفری، شبنم شکیل، فاطمہ حسن، شاہدہ حسن، زاہدہ حنا، کشور ناہید، بانو قدسیہ، امرتا پریتم غرض خواتین لکھاریوں کی ایک لمبی فہرست ہے جن کو قارئین اور ناقدین

دونوں نے پذیرائی بخشی ہے۔ ان کی کہانیوں یا کلام کے دوسری زبانوں میں تراجم کیے گئے ہیں۔ ان کے محاسن و معائب پر مبنی تنقیدی مضامین لکھے گئے ہیں۔ بطور ادیب ان کو معاشرے میں عزت و احترام سے نوازا گیا ہے۔

"موہن جو دڑو" میں وہ اپنی اس فکر کا اظہار کرتی ہیں کہ مرد خود تو ساری زندگی کوئی پابندی برداشت نہیں کرتے۔ آزادی سے جہاں دل چاہا آتے جاتے ہیں، جو چاہتے ہیں وہ کرتے ہیں لیکن عورتوں پر اعتماد نہیں کرتے۔ ان کو اکیلے باہر نہیں جانے دیتے۔ حفاظت کے نام پر بے جا پابندیاں لگاتے ہیں۔ ان پر شک کرتے ہیں، ان کے ملنے ملانے اور آنے جانے پر پابندی لگاتے ہیں جس کی وجہ سے ان خواتین کی شخصیت مسخ ہو کر رہ جاتی ہے۔ مردوں کا یہ عمل بھی عورتوں کو حقیر جاننے اور صنفی عدم مساوات کو ظاہر کرتا ہے۔ الغرض خالدہ حسین نے اپنے افسانوں میں متعدد تانیثی عناصر کو اپنے موضوعات کا حصہ بنایا ہے۔ اس امر سے قطع نظر کہ وہ مکمل طور پر حق بجانب ہیں یا جزوی طور پر، وہ سمجھتی ہیں کہ اس معاشرے میں عورت ذات ایک مظلوم طبقہ ہے جس کا استحصال مرد ہر لحاظ سے کرتے ہیں یعنی کبھی شادی کے نام پر، کبھی زمین جائیداد کے تناظر میں، کبھی عزت و تکریم کے حوالے سے اور کبھی جنس سے حوالے سے۔

حواشی و حوالہ جات

1۔ بی بی امینہ، خالدہ حسین: شخصیت اور فن، اکادمی ادبیات پاکستان، اسلام آباد، 2017، ص38

2. Oxford Advanced learners Dictionary of current English History, Oxford University Press, seventh edition. P. 565

3۔ انیس ہارون، "فیمینزم اور پاکستانی عورت"، مشمولہ "فیمنزم اور ہم" (مرتبہ: فاطمہ حسن)، وعدہ کتاب گھر، کراچی، جون 2005، ص:13

4۔ سید محمد عقیل رضوی، "تانیثیت: ایک ادبی تھیوری"، مشمولات "تانیثیت اور ادب" (مرتبہ: انور پاشا)، عرشیہ پبلی کیشنز، دہلی، 2014، ص17

5۔ خالدہ حسین، افسانہ چینی کا پیالہ، مشمولہ "مجموعہ خالدہ حسین"، سنگِ میل پبلی کیشنز، لاہور، 2008، ص118

6۔ ایضاً: "آدھی عورت" مشمولہ "مجموعہ خالدہ حسین"، ص188

7۔ ایضاً: "اے ڈیڈ لیٹر"، مشمولہ "مجموعہ خالدہ حسین"، ص238

8- محمد حمید شاہد "خالدہ حسین کا افسانہ: زرِ خالص کی تلاش"، مشمولہ "جینے کی پابندی"، سنگِ میل پبلی کیشنز، لاہور، 2018، ص12

9۔ ایضاً: ص13

10۔ زاہدہ حنا "خالدہ حسین۔ جینے کی پابندی" مشمولہ "قومی زبان"، کراچی، ش3، ج91، مارچ2019، ص14

11۔ خالدہ حسین "تفتیش" مشمولہ "مجموعہ خالدہ حسین"، ص181
12۔ خالدہ حسین "گنگ شہزادی" مشمولہ "مجموعہ خالدہ حسین"، ص19
13۔ ایضاً: ص18
14۔ ایضاً، ص23
15۔ سعادت سعید، ڈاکٹر، جہت نمائی، دستاویز مطبوعات، لاہور، 1995، ص37

References in Roman Script:

1. Bibi Ameena, Khalida Hussain : Shaksiyat awr Fun, Pakistan Academy of Letters, Islamabad, 2017, p. 38
2. Oxford Advanced learners Dictionary of current English History, Oxford University Press, seventh edition. p. 565
3. Anees Haroon, “Feminism and Pakistani Awrat”, Mashmoola “Feminsim awr Ham”, (Murattab:Fatima Hassan), Wada Kitab Ghar, Karachi, June 2005, p. 13
4. Syed M. Aqeel Rizvi, “Taneesiyat: Aik adabi theory”, Mashmoola “Taneesiyat awr adab”, (Murattab: Anwar Pasha), Arshia Publications, Dehli, 2014, p. 17
5. Khalida Hussain, “Afsana Cheeni ka Piyala”, Mashmoola “Majmooa Khalida Hussain”, Sang e Meel Publications, Lahore, 2008, p. 118
6. Khalida Hussain, “Afsana Aadhi Awrat”, Mashmoola “Majmooa Khalida Hussain”, p. 118
7. Khalida Hussain, “Afsana A Dead Letter”, Mashmoola “Majmooa Khalida Hussain”, p. 118
8. M. Hameed Shahid, “Khalida Hussain Ka afasana: Zar e Khalis ski talash”, mashmoola “Jeeny ki Pabandi”, Sang e Meel publications Lahore, 2018, p. 12
9. As above, p. 13
10. Zahida Hina, “Khalida Hussain-Jeeny ki Pabandi”, mashmoola “qowmi Zaban”, Issue3, Vol:91, March 2019, Karachi, p. 14
11. Khalida Hussain, “Tafteesh”, Mashmoola “Majmooa Khalida Hussain”, p. 181
12. Khalida Hussain, “Afsana Gung Shehzadi”, Mashmoola “Majmooa Khalida Hussain”, p. 19
13. As above, p. 18
14. As above, p. 23
15. Saadat Saeed, Dr, Jehat Numai, dastavaiz Matbooat, Lahore, 1995, p. 37